(غلام گردش)

## لٹریری فیسٹیول فیصل آباد

پُر تاثیر بلکہ حیرت انگیز تقریب۔فیصل آباد اور ادبی ذوق۔کپڑا بنانے والے شہر میں کیا یہ شعور متوقع تھا۔مگر صاحبان، زمینی حقائق، دل کیا روح کو خوش کرنے والے تھے۔پچھلے جمعہ اور ہفتہ والے دن کو منعقد ہونے والا لٹریری فیسٹیول برسوں یاد رہنے والی تقریب تھی۔اگر پورے پاکستان سے اہل ہنر آئے تھے، تو اہلیان فیصل آباد بھی کسی سے کم نہیں تھے۔پورے دو دن، نصرت فتح علی ہال، کچھا کچھ بھرا رہا۔اہل ذوق، کمال سنجیدگی سے سننے والے بلکہ متین سوال کرنے والے سینکڑوں اشخاص۔طلباء،، طالبات، اساتذہ، عام پبلک جو ہرگز ہرگز عام نہیں ہے۔ہر طرح کے لوگ موجود تھے۔ثابت یہ ہوا کہ فیصل آباد علم وادب کی ستائش میں کسی دوسرے شہر سے پیچھے نہیں ہے۔بلکہ کچھ آگے ہے!

خوش گوار حیرت اس وقت ہوئی جب سبز رنگ کے ملبوسات میں نوجوان مرد، خواتین اور چند میری جیسی پختہ عمر کے بچے، مہمانوں کا استقبال کر رہے تھے۔جیسے ہی آپ آرٹس کونسل میں داخل ہوتے تھے، اس وقت کوئی مسکراتا ہوا چہرہ آپکو ذاتی طور پر خوش آمدید کہنے کیلئے موجود ہوتا تھا۔یہ درجنوں اشخاص رضا کارانہ طور پر انتہائی مشکل کام کر رہے تھے۔پورے نظم وضبط کے ساتھ مہمانوں کو انکی نشست تک پہنچانے کا کام۔مین ہال سے باہر کتابوں کے وسیع سٹال لگے ہوئے تھے۔انکے اردگرد لوگوں کے ہجوم تھے۔کون کہتا ہے کہ اب کتابیں پڑھنے کا رواج ختم ہو چکا ہے۔ہال میں داخل ہونے سے پہلے ٹی وی انٹرویو کیلئے دو کونے بنے ہوئے تھے۔لوگ ایمانداری سے اپنے اپنے تاثرات بیان کر رہے تھے۔جمعہ کے بعد کی افتتاحی تقریب محترمہ، زہرہ نگار کی صدارت میں تھی۔انکے ساتھ آئی۔اے۔رحمٰن اور اعتزاز احسن براجمان تھے۔آئی اے رحمٰن ان قدآور لوگوں میں سے ہیں جن میں لسانی، نسلی، مذہبی اور فکری تعصب نہ ہونے کے برابر ہے۔پہلے بھی کئی مرتبہ رحمٰن صاحب کو سن چکا ہوں۔مگر اس دن انہوں نے کمال کر دیا۔بلوچستان، سندھ، کے پی اور پنجاب کے ان ادیبوں، شاعروں کے متعلق باتیں کیں، جسکے نام بھی کئی لوگوں کو معلوم نہیں تھے۔صرف اردو تک محدود نہ رہے، انگریزی زبان کے ناول لکھنے والے اور شاعروں پر بھی سیر حاصل بحث کی۔انکی باتوں سے صاف جھلکتا تھا کہ ذہن کی جس پختگی پر ہے، اس میں تمام تر تعصّبات بہت نیچے رہ چکے ہیں۔مزاج میں شائستگی ایسی، کہ بار بار کہہ رہے تھے کہ اپنے مضمون سے انصاف نہیں کر پا رہے۔مگر یہ ہر بڑے آدمی کی نشانی ہوتی ہے۔بلکہ آدمی، بڑا ہی اس وقت ہوتا ہے، اپنی نفی کر ڈالتا ہے۔یہ وصف آئی اے رحمٰن میں موجود ہے۔

افتتاحی تقریب میں اعتزاز احسن کی تقریر سب سے پہلے تھی۔پہلی بار اندازہ ہوا کہ اعتزاز احسن کا لائل پور سے بہت قربت کا تعلق ہے۔چھٹیاں گزارنے کیلئے بچپن میں اس شہر میں اکثر آتے رہتے تھے۔اعتزاز صاحب کے سیاسی رجہانات جو کچھ بھی ہوں، انکے علمی، ادبی اور تحقیقی خیالات انتہائی عمدہ ہیں۔انہیں صرف سیاستدان گردانا کافی حد تک زیادتی ہے۔جس انداز میں اعتزاز احسن نے پنجاب اور دیگر صوبوں کے قدآور مزاحمتی شخصیات کا ذکر کیا، وہ بذات خود ایک علمی دریچہ کھولنے کے برابر تھا۔بھگت سنگھ سے لیکر آزادی کے ہر متوالے کا ذکر، اس دلیل سے کیا کہ سینکڑوں لوگ دم بخود رہ گئے۔کہاں آج کا فکری طور پر گُھٹا ہوا پاکستان اور کہاں اعتزاز احسن کے ترقی

پسند خیالات۔کمال یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنے تمام مضامین،اس قرینے سے ادا کیے کہ لوگ بار بار داد دیتے رہے۔اس تقریب میں اصغر ندیم سید اور انکی اہلیہ شیبا صاحبہ نے بھی تقریب کو انتہائی متوازن طریقے سے جاری رکھا۔اختتامی کلمات،اس ادبی میلے کی روح رواں سارہ حیات نے عمدہ طریقے سے ادا کیے۔

افتتاحی تقریب کے بعد وہ شخص سٹیج پر آیا جو لفظوں اور تلفظ کا بادشاہ ہے۔شائد بادشاہ لفظ اسکے لیے بے معنی ہے۔دراصل اردو اور انگریزی زبان کا سامری جادوگر ہے۔اپنی دنیا کا اکیلا اور اجنبی سا مسافر۔یعنی ضیاء محی الدین۔وضع داری اور خوش لباسی کا مجموعہ۔فیصل آباد لٹریری فیسٹیول سے پہلے سینکڑوں بار ضیاء محی الدین کو ٹی وی پر سنا ہے۔لہجے کی قادرالکلامی کا بڑے عرصے سے مداح ہوں۔مگر انکو براہِ راست سامنے بیٹھ کر سننے کا اتفاق پہلی بار ہوا۔کمال حسن اتفاق تھا۔نشست میں ضیاء محی الدین نے نثر اور شاعری کے اساتذہ کے کمال انتخاب پڑھے۔کس لفظ پر زور دینا ہے۔کہاں رُکنا ہے۔کیوں رکنا ہے۔کونسا جملہ کس روانی سے ادا کرنا ہے۔میری دانست میں اب یہ صرف اور صرف ضیاء محی الدین کو ہی پتہ ہے۔خوبصورت بات یہ بھی ہے کہ جچتا بھی انکو ہی ہے۔سر سید احمد خان کی خوشگوار نثر سے لیکر طنز و مزاح کے دیگر فن پاروں کو جس اعلیٰ طریقے سے ضیاء محی الدین نے پڑھا،کہ کمال ہو گیا۔سامعین اس درجہ کھو گئے کہ جہاں بھی ضیاء محی الدین چاہتا تھا،تالیاں بجا بجا کر تھک جاتے تھے۔جہاں لفظوں میں مسکراہٹ پیدا کرتا تھا،لوگ قہقہے لگانے شروع کر دیتے تھے۔سینکڑوں لوگ،لگتا تھا،اس جادوگر کی مٹھی میں ہیں۔یہ کمال فن تھا۔بلکہ لفظوں پر دسترس کی معراج تھی۔یقین مانیے،ضیاء محی الدین میں اتنا ملکہ ہے کہ وہ کسی کو بھی کہیں بھی رُلا سکتا ہے اور چند منٹ بعد کھلکھلا کر ہنسا سکتا ہے۔پہلے دن کی آخری نشست کلاسیکل موسیقی کے بے تاج بادشاہ حسین بخش گلو کی تھی۔انکے دونوں بیٹوں نے بھی گانے میں انکا بھرپور ساتھ دیا۔ایک گھنٹے میں حسین بخش گلو نے اپنی آواز کے جادو سے تمام لوگوں کو سحر زدہ رکھا۔گلو صاحب اب کافی ضعیف ہو چکے ہیں۔سہارے سے چلتے ہیں۔مگر آواز میں وہی گداز اور لوچ،جو جوانی میں تھی۔

دوسرے دن کی پہلی نشست افتخار عارف کی تھی۔افتخار عارف کی شاعری کے متعلق ایک کالم میں بات کرنا نامناسب بھی ہے اور شائد غیر شائستہ بھی۔موجودہ دور کا قدآور ترین شاعر افتخار عارف کمال انسان ہے۔لکھنو سے ہجرت کر کے کراچی آنا اور پھر تلاشِ روزگار میں ریڈیو پاکستان کراچی سے منسلک ہونے کے تمام واقعات کمال بے تکلفی سے افتخار صاحب بتاتے رہے۔یہ شخص شاعری کی حرمت ہے۔کسی بھی شاعر کو کسی دوسرے شاعر سے مقابلے میں پیش کرنا درست نہیں۔ہر تخلیق کار بڑا انسان ہوتا ہے۔مگر جس خوبصورتی سے افتخار عارف اپنے خیالات کو شاعری میں پروتے ہیں،وہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔جس طرح پاکستان ٹیلی ویژن پر آئے۔کسوٹی جیسے بلند پایہ پروگرام کے روح رواں بنے،وہ تمام باتیں بیان کیں۔محسوس ہوا کہ عبیداللہ بیگ سے کمال دوستی رہی۔انکی بارہا تعریف کرتے رہے۔ہر بڑے آدمی کا یہی خاصہ ہے کہ اپنی تعریف بالکل نہیں کرتا بلکہ اپنے اردگرد کے لوگوں کو لازوال کر دیتا ہے اور اسی مرحلہ میں خود بھی اَمر ہو جاتا ہے۔ضیاء الحق کے دور میں افتخار عارف کو پاکستان سے جلاوطن ہونا پڑا،جس طرح انہوں نے بی بی سی پر معاش کیلئے کام کیا۔افتخار عارف نے دل تھام کر تمام واقعات بتائے۔لکھنو کی عسکری تہذیب اور شاعری کا پختہ ادراک اسی عظیم شخص کے وجدان کا حصہ

ہے۔ کیسے کیسے عظیم شعراء کے ساتھ وقت بِتانے کا موقع ملا، یہ سب کچھ سننا بذات خود ایک داستان ہوش رُبا ہے۔ یاس سے لیکر اردو زبان کے ہر خوشبودار شاعر سے نسبت رہی۔ اس سے بھی بڑی بات کہ افتخار اپنے مزاج میں ایک سادہ دل انسان ہے۔ مجھے علم نہیں کہ وہ سرکاری نوکری کیسے اور کیوں کر پا رہا ہے۔ بہر حال ہر عہدے سے بڑا انسان ہے۔ روزگار کے لیے سرکار کی نوکری کرنا بہر حال کوئی غلط بات نہیں۔ خاکسار بھی تیس برس سے اسی ریگستان میں انتظامی نوکری کر رہا ہے۔

اگلی نشست میں ضیاء محی الدین اپنی زندگی کے متعلق بھرپور طریقے سے بتا رہے تھے۔ آج کا یہ کامیاب ستارہ، کس کس الجھنوں اور مشکلات سے گزرتا رہا ہے، اسکا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ گورنمنٹ کالج میں انہیں ڈرامیٹک کلب میں کام کرنے کا موقع نہیں دیا گیا۔ مگر حیرت انگیز بات یہ ہے کہ کالج کے پرنسپل بخاری صاحب نے انہیں نوجوانی میں ہی لکھنے کی ہدایت کی۔ کیوں۔ اسکی وجہ ضیاء کو بھی معلوم نہیں۔ لاہور سے لندن کے رائل تھیٹر تک جانے کا سفر بے حد دشوار رہا۔ مالی حالات اس درجہ کے نہیں تھے کہ فیس گھر سے منگوائی جاتی۔ چنانچہ لندن میں ہر مشکل کام کیا۔ ایک ریلوے سٹیشن پر "پورٹر" یعنی قلی کا کام بھی کرتے رہے۔ پھر انکی اہلیت دیکھ کر رائل اکیڈمی نے فیس معاف کر دی۔ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ ضیاء محی الدین امریکہ میں ہالی وڈ کی کامیاب فلموں میں بھی کام کر چکے ہیں۔ "لارنس آف عرسیہ" ان میں سے ایک ہے۔ نیویارک میں براڈوے تھیٹر پر کام کرتے رہے۔ مگر انکی توجہ اور محبت کا مرکز لندن کا تھیٹر ہی رہا۔ پاکستان میں دو فلموں میں کام کرنے کا موقع ملا مگر یہاں قسمت یاوری نہ ہو پائی۔

دوسرے دن ہی مایہ ناز فنکارہ ثانیہ سعید اور سلمان شاہد نے پاکستانی تھیٹر کے موضوع پر انتہائی دل آویز گفتگو کی۔ حسینہ معین صاحبہ نے ڈرامہ لکھنے کے سفر پر روشنی ڈالی۔ حسینہ پاکستان میں اردو ڈرامے کی آبرو ہیں۔ انکے لکھے ہوئے کردار لوگوں کے دلوں میں سالہا سال سے زندہ ہیں۔ لازوال کردار۔ اس طرح مسعود اشعر جیسے عظیم کالم نگار اور اردو دان لوگوں کی توجہ کا مرکز بنے رہے۔ دو دن لوگ جم کر بیٹھے رہے۔ نظم وضبط اسی درجہ کا تھا کہ جگہ نہ ملنے پر لوگ زمین پر کسی تکلف کے بغیر بیٹھ رہے تھے۔

اس پورے فیسٹیول میں جہاں منتظمین نے کمال کیا تھا، وہاں چند کاروباری اداروں نے بھی خوب تعاون کیا۔ اس میں انٹرلوپ کے مالک اور میرے ذاتی دوست مصدق ذوالقرنین پیش پیش تھے۔ چینل 41، اور اے پی پی نے بھی اسکی خوب تشہیر کی۔ یہ تمام ادارے بھی فیسٹیول کی کامیابی کے ضامن تھے۔ مگر کمال تو فیصل آباد کے لوگوں نے کیا۔ ثابت کر ڈالا کہ علمی وادبی شعور میں کسی بھی شہر سے پیچھے نہیں، بلکہ دوسرے شہروں کیلئے مثال بن سکتے ہیں۔ بلکہ بن چکے ہیں۔ صاحبان! پتہ ہی نہیں چلا کہ دو دن کیسے گزر گئے۔ شائد ایک پَل میں۔ مگر اب یہ خوشگوار یادیں ہمیشہ کیلئے محفوظ ہیں۔ یہی ہمارا ادبی ورثہ ہے۔ خدا اس ورثہ کو قائم رکھے!

راؤ منظر حیات